© rasailojaraid.com

صوفی ازم اور شریعت

• احمد صاحب

پروفیسر عبدالحق انصاری کی کتاب 'صوفی ازم اور شریعت' اسلامک فاؤنڈیشن ۲۲۳ لندن روڈ لسٹر برطانیہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس پر پروفیسر اقتدار حسین کا تبصرہ تحقیقات اسلامی، جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کی نوعیت زیادہ تر تاریخی تھی۔ اب ایک اور تبصرہ جناب احمد صاحب کا دیا جا رہا ہے۔ اس میں براہ راست تصوف سے بحث کی گئی ہے۔ امید ہے یہ تبصرہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ (جلال الدین)

ڈاکٹر عبدالحق انصاری کی کتاب "صوفی ازم اور شریعت" انگریزی زبان میں انگلستان سے شائع ہوئی ہے اس میں تصوف کا جائزہ لیا گیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ شیخ احمد سرہندیؒ (جو مجدد الف ثانی کے نام سے مشہور ہیں) کی ان خدمات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جو انھوں نے تصوف کی تشریح اور اصلاح کے لیے انجام دیں۔ گو مختصر طور پر اس میں دوسرے صوفیاء کا تذکرہ بھی آگیا ہے اور تصوف کے متعلق دوسرے فلسفہ اور مختلف نقطۂ نظر کی تشریح بھی ہو گئی ہے۔

یوں تو انگریزی اور اُردو میں تصوف پر کتابوں کی کمی نہیں ہے مگر تصوف اور شریعت کے موضوع پر یہ ایک جامع کتاب ہے جس میں توازن اور اعتدال کے ساتھ معروضی طریقہ سے بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں پانچ باب ہیں۔ پہلا باب شیخ احمد سرہندی کی زندگی اور مشن سے متعلق ہے۔ دوسرا تصوف، تیسرا تصوف اور شریعت چوتھا وحدت الشہود اور پانچواں اسلامی تصوف کے خلاصہ پر مشتمل ہے۔ کتاب کے دوسرے حصے میں شیخ کے خطوط کے طویل اقتباسات دیئے گئے ہیں جن سے ان نکات کی تشریح ہو جاتی ہے جن پر پہلے حصہ میں بحث کی گئی ہے اور شیخ کے خیالات شیخ کے اپنے الفاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں واضح ہو جاتے ہیں۔ کتاب نہایت سلیس انگریزی میں لکھی گئی ہے اور یہ سلاست اور روانی کتاب کے مضمون اور خطوط کے ترجمہ دونوں میں یکساں طور پر برقرار ہے۔

ڈاکٹر انصاری نے اپنی کتاب میں اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ موجودہ صدی کے نصف آخر سے اسلام کے احیاء اور تجدید کی جو کوششیں دنیا کے مختلف ملکوں میں ہو رہی ہیں ان کے دو حلقے قائم ہو گئے ہیں۔ ایک حلقہ تصوف ہی کو اصل اسلام سمجھتا ہے اور وہ اسی کے ذریعہ روحانی ترقی کی کوششوں میں مصروف ہے۔ دوسرا حلقہ جو تصوف کو اگر اسلام کے مغائر نہیں تو اس کو اسلام کے مزاج کے خلاف تصور کرتا ہے۔ لہٰذا وہ اسلام کی تجدید و احیاء کے معاملے میں تصوف کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر انصاری کا خیال ہے اس میں میانہ روی اور توازن کی ضرورت ہے۔ ہمارے خیال میں اگر تصوف کو ہندوستان کے حالات کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس کی اہمیت کا ایک اور بھی نکتہ ہے جس کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ ہندوستان میں موجودہ رجحان یہ ہے کہ یہاں ہندو افکار اور اشغال کا غلبہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور عام آدمیوں کے ساتھ خود مسلمانوں میں اسکولوں اور کالجوں میں ایسی نسل پروان چڑھ رہی ہے جو اسلامی تعلیمات سے بیگانہ اور ہندو افکار سے آشنا اور متاثر ہوتی جا رہی ہے۔ ان حالات میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں ہر بات کی تاویل اور تشریح میں ہندو افکار کا دخل بڑھتا جائے گا اور بعید نہیں کہ کچھ دانش ور خود اسلام کی تشریح بھی یوگ اور تصوف کی روشنی میں کر ڈالیں۔ ان حالات میں شیخ احمد سرہندیؒ نے جو کارنامہ تصوف کی تشریح اور اصلاح کے لیے انجام دیا ہے وہ ایک شمع ہدایت کے مانند کام آ سکتا ہے۔ کچھ اسی قسم کے حالات تھے جن میں شیخ نے تصوف کی خدمت اور اسلام کے فروغ کی جدوجہد کی تھی۔ ان کی خدمت اور تجربات اب بھی نمونہ کے طور پر کام آ سکتے ہیں۔

تصوف کے متعلق بہت سے علماء نے تفصیل سے جائزہ لیا ہے مگر ان میں شیخ احمد سرہندیؒ کو ایک منفرد مقام حاصل ہے اس کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انھوں نے قرآن اور سنت کو کسوٹی بنایا اور جو کچھ تصوف میں اس کے مطابق پایا اس کو فراخ دلی سے قبول کیا اور جو اس کے خلاف پایا اس کو صاف صاف رد کر دیا۔ اس کی تاویل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک عالم ہی نہیں تھے خود ایک بلند پایہ صوفی بھی تھے۔ طریقت اور سلوک سے وہ آشنا ہی نہ تھے بلکہ اس کے راہ رو اور راہبر تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے اپنے ذاتی اور روحانی تجربہ کی بنیاد پر تصوف کی حقیقت کو سمجھا، اس کے عیب اور ہنر کا جائزہ لیا اور اس کی اصلاح کی کوشش کی۔

ڈاکٹر انصاری نے شیخ احمد سرہندیؒ کے روحانی تجربوں کا خلاصہ اپنی کتاب میں پیش کر دیا ہے اور ان کے خطوط کے اقتباسات بھی کتاب میں شامل کر دیئے ہیں جن سے ان کے تجربہ اور ان کے نقطہ نظر کو سمجھا جا سکتا ہے۔ شیخ نے اپنے روحانی تجربات تفصیل سے اور بار بار بیان کیے ہیں۔ وہ اپنی روحانی ترقی میں تین درجوں سے گزرے ہیں جن کو وحدت الوجود، ظلیت اور عبدیت کے درجوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پہلے درجہ میں سالک اپنے آپ کو اور خدا کو ایک ہی محسوس کرتا ہے۔ یہ فنا اور بقا کا تجربہ ہے تصوف کی اصطلاح میں اس کو جام کا درجہ کہتے ہیں۔ جب سالک اس درجہ سے آگے پہنچتا ہے تو پھر اس کو یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ وہ خدا سے الگ ہے مگر اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو ایک لحاظ سے خدا سے متحد بھی محسوس کرتا ہے گویا اس کو ہر چیز خدا کا ظل یا سایہ محسوس ہوتی ہے کیوں کہ خدا سے ایک ہونے کے بعد یہ الگ ہونے کا تجربہ ہے اس لیے تصوف کی اصطلاح میں اس کو فرق بعد الجام کہتے ہیں۔ تیسرا درجہ جو تصوف کا آخری درجہ ہے اور اس کے انتہائی کمال کا مقام ہے عبدیت کا درجہ ہے اس میں سالک خود کو خدا سے قطعی طور پر بالکل الگ محسوس کرتا ہے اس کو اپنے اندر خدا کے ساتھ کوئی بات کسی لحاظ سے مشترک محسوس نہیں ہوتی ہے۔ وہ اپنے کو خدا کا عاجز بندہ محسوس کرتا ہے جس کا مقصد اور جس کا مشن خدا کی مرضی کی بجا آوری ہے۔ یہاں اس کا ذکر کر دیا جائے کہ بعض صوفی پہلے درجہ میں پہنچتے اور زندگی بھر یہیں رہتے ہیں اس درجہ میں سکر یا روحانی نشہ کی حالت میں ان سے اناالحق جیسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ اس کے حالت جذب و سکر میں ہونے کی وجہ سے ہوں تو قابل معافی ہیں۔ یہ درجہ صوفی کے لیے کمال نہیں بلکہ کچے پن کا درجہ ہے۔ دوسرا درجہ اس سے بلند ہے اور بہت سے صوفیا اس درجہ پر بھی پہنچتے ہیں۔ تیسرا درجہ انتہائی کمال کا درجہ ہے اور بہت سے سالک اس درجہ تک نہیں پہنچتے ہیں مگر پھر بھی اس درجہ کے صوفیا نایاب نہیں ہیں۔

شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنی روحانی ترقی کے ساتھ ان تینوں درجوں کا ذکر کیا ہے اور بار بار کیا ہے اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ شیخ سرہندی کے زمانہ میں اکثر سالک پہلے اور دوسرے درجہ میں تھے اور شیخ ان کو توجہ دلانا چاہتے تھے کہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درجہ سے آگے بھی ایک درجہ ہے اور یہ درجہ عبدیت کا مقام کمال ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شیخ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ انھوں نے اپنے تصورات محض دینی تعلیم سے اخذ نہیں کیے ہیں بلکہ اپنے ذاتی روحانی تجربوں سے ان میں یہ شعور پیدا ہوا ہے جس کی ان کو خود توقع نہ تھی۔

موجودہ دور میں مشرق اور مغرب کے اکثر محققین جیسے رچرڈ نکلسن (RICHARD NICHOLSON) نے تصوف کو اس طرح پیش کیا ہے جیسے وحدت الوجود کا روحانی تجربہ تصوف کا اصل کمال اور سالک کا حقیقی مقصود ہے۔ منصور الحلاج اور ابن عربی تصوف کے اصل نمائندے ہیں اور شریعت طریقت سے فروتر چیز ہے۔ ڈاکٹر انصاری نے شیخ احمد سرہندیؒ کے تجربوں سے بھی اس نقطۂ نظر کی غلطی ظاہر کی ہے اور ان کی تعلیم سے بھی۔ شیخ کے تجربات کا ذکر تو اوپر آچکا ہے یہاں ان کے خیالات کا بھی مختصر جائزہ لینا چاہیئے۔ جہاں تک تصوف کا تعلق ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فنا اور بقا کا تجربہ شیخ احمد سرہندی کے نزدیک تصوف کی جان ہے۔ ڈاکٹر انصاری کی کتاب "صوفی ازم" کے ساتھ شریعت سے متعلق بھی ہے۔ لہٰذا انھوں نے شریعت کے متعلق بھی شیخ کے خیالات کا جائزہ لیا ہے اس تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی نے شریعت کا لفظ دو معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ایک معنی کے اعتبار سے شریعت ان قواعد وضوابط کا مجموعہ ہے جو عبادت، اخلاق، معاشرت وغیرہ کے متعلق قرآن مجید اور سنت سے اخذ کیے جائیں۔ شیخؒ نے دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے شریعت کا لفظ ایمان، عمل اور ظاہری اور باطنی کیفیت کے لیے استعمال کیا ہے اس لحاظ سے اس کو مکمل دین کہا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر انصاری نے انگریزی میں اس کے واسطے PROPHETIC RELIGION کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ تصوف اور شریعت کا کیا تعلق ہے اس کا بیان ہی کتاب کا مرکزی مضمون ہے اور اس کی تشریح آگے کی جائے گی۔

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ شیخ احمد سرہندیؒ فنا اور بقا کے روحانی تجربہ کو تصوف کا بنیادی نکتہ تصور کرتے ہیں۔ ان کو اس بات کا اقرار ہے کہ سالک کو ایسا روحانی تجربہ ہوتا ہے جس میں وہ خدا اور اپنے آپ کو ایک محسوس کرنے لگتا ہے مگر وہ اس تجربہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں سمجھے کہ فی الحقیقت خدا اور بندہ ایک ہو جاتا ہے ان کے نزدیک یہ محض احساس اور مشاہدہ کی بات ہے حقیقت نہیں ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھی جاسکتی ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صبح کی روشنی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ستارے اس میں غائب ہو جاتے ہیں مگر یہ محض احساس کی بات ہے ورنہ تارے فی الحقیقت گم نہیں ہو جاتے۔ بلکہ قائم اور برقرار رہتے ہیں۔ اس احساس اور مشاہدے کے تجربہ سے شیخ احمد سرہندی جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ وحدت الشہود کا نتیجہ ہے وحدت الوجود کا نہیں ہے۔ سالک کو فنا اور بقا کے تجربہ سے جو فائدہ ہوتا ہے اور جس طرح وہ اگلے درجہ پر ترقی کرنے کے قابل ہو جاتا ہے، اس فائدہ کے لیے وحدت الشہود کا نظریہ کافی ہے اور وحدت الوجود کا نظریہ غیر ضروری بھی ہے اور غلط بھی۔ ڈاکٹر انصاری نے ان اعتراضات کا تجزیہ بھی کیا ہے جو شیخ احمد سرہندی نے وحدت الوجود کے نظریے پر قائم کیے ہیں۔ شیخ احمد سرہندی کا پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ وحدت الوجود یا توحید وجودی کا نظریہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ انبیاء نے جو تعلیم دی ہے وہ یہ ہے کہ خدا ایک ہے نہ یہ کہ خدا اور کائنات کا ایک ہی وجود ہے۔ شیخ کا دوسرا اعتراض پہلے ہی اعتراض کا ایک جز ہے۔ یہ اعتراض یہ ہے کہ توحید وجودی کے نظریہ سے شرک اور بت پرستی کا جواز پیدا ہوتا ہے اور خیر کو قائم کرنے اور شر کو مٹانے کا جواز ختم ہو جاتا ہے کیوں کہ خدا اور بت خیر اور شر سب ایک ہی قرار پاتے ہیں اور اس طرح اللہ پر ایمان لانے، دین کو قائم کرنے اور شریعت کے اتباع کرنے کی اسلامی دعوت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ شیخ کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ توحید وجودی تصوف کی تاریخ میں ایک نیا اضافہ ہے۔ ابن عربی سے پہلے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ ابن عربی سے پہلے کے بزرگ توحید وجودی کے نہیں بلکہ توحید شہودی کے قائل تھے چاہے انھوں نے یہ اصطلاحیں نہ استعمال کی ہوں تب بھی ان کے تجربوں کے جو آثار اور ان کی تعلیم کے جو اجزا محفوظ ہیں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ توحید شہودی یا وحدت الشہود کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر انصاری نے شیخ احمد سرہندیؒ کی تعلیم کا جو جائزہ لیا ہے اس سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ شیخ فنا اور بقا کے تجربہ کو تو تصوف کا بنیادی اصول سمجھتے ہیں مگر وہ واضح طور سے سمجھتے اور کہتے ہیں کہ انبیاء علیہ السلام نے نہ تو ایسا تجربہ کیا اور نہ صحابہ نے۔ ان کی تعلیمات میں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ حالانکہ ان کا مقام کسی بھی صوفی اور ولی کے مقام سے بہت بلند ہے اور صوفیاء اور بزرگوں کے لیے وہی اسوہ ہیں۔ شیخ سمجھتے تھے کہ سالک اپنے تجربہ سے حقیقت نبوت کا پورا ادراک نہیں کرتا بلکہ جو علم بذریعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وحی حاصل ہوا ہے اس پر پختہ یقین حاصل کر لیتا ہے اور دین کی اطاعت اور شریعت کے اتباع کے لیے اس میں پورا اخلاص پیدا ہو جاتا ہے۔ تصوف کا مقصد یقین اور یہی اخلاص پیدا کرنا ہے۔

ڈاکٹر انصاری کی کتاب کا مرکزی مضمون تو شیخ احمد سرہندی کی ہی ذات ہے مگر مختصر طور پر اس میں دوسرے صوفیاء اور بزرگوں کا ذکر بھی آ گیا ہے جس سے تصوف کی اجمالی تاریخ کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق سراج اور ابونعیم جیسے پرانے صوفیاء کے عقائد و قواعد عام علماء سے مختلف نہ تھے اور دونوں کا ماخذ قرآن اور سنت ہی تھا مگر اس کے بعد امام غزالی نے ایک نیا قدم اٹھایا۔ انھوں نے دین کا تجزیہ ان روحانی تجربات کو بنیاد بنا کر کرنا شروع کیا جو تجربات سلوک کی راہ پر چلنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ امام غزالیؒ کے بعد عبدالقادر جیلانی اور شہاب الدین سہروردی نے بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا مگر غزالی کے فلسفیانہ خیالات سے اجتناب کرتے ہوئے اس کے برخلاف ابن عربی نے غزالی سے بھی کچھ اور قدم آگے بڑھائے۔ انھوں نے اسلامی عقائد اور اعمال کی تشریح روحانی تجربوں کی بنیاد پر کی اور ان تجربات کی بنیاد پر وحدت الوجود کے فلسفہ کو پیش کیا۔ ابن تیمیہؒ کا طریقہ اس سے بالکل الگ ہے۔ انھوں نے اس روش کے برخلاف صوفیاء کے روحانی تجربوں کا جائزہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی روشنی میں لیا اور جس چیز کو انھوں نے قرآن اور سنت کے مطابق پایا اس کی تائید کی اور جس چیز کو اس کے خلاف پایا اس کی سخت گرفت کی۔ اس سلسلہ میں شیخ احمد سرہندی نے جو کام انجام دیا اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ انھوں نے بھی قرآن اور سنت کی روشنی میں تصوف کا جائزہ لے کر صحیح اور غلط باتوں کا تجزیہ کیا مگر اس کے ساتھ ان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے خود اپنے ذاتی روحانی تجربہ سے بھی تصوف کی حقیقت کو پرکھا۔ اس کے درجوں کی جانچ کی اس طرح انھوں نے تصوف کی اندر سے اصلاح کی۔ یہ ان کی نمایاں خصوصیت اور یہ ان کا امتیازی کارنامہ ہے۔

ڈاکٹر انصاری نے ابن تیمیہ کے خیالات کا مختصر طور پر تذکرہ کیا ہے۔ عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ابن تیمیہ تصوف کے مخالف تھے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ بات تو درست ہے کہ انھوں نے تصوف کی خامیوں پر زوردار گرفت کی ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ تصوف ہی کے مخالف تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجموعی طور پر ان کا نقطۂ نظر ہمدردانہ تھا اور تصوف میں جو خوبیاں ہیں ان کا وہ احترام کرتے تھے اور سچے صوفیاء اور اولیاء کے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدرداں تھے ۔ یہ بات بھی دل چسپی کی ہے کہ ان کے خیالات مجموعی طور پر شیخ احمد سرہندیؒ کے خیالات سے ملتے جلتے تھے گو کہ تفصیلات میں فرق ہے ۔ مثال کے طور پر ابن تیمیہ بھی شیخ احمد سرہندی کی طرح فنا اور بقا کے تجربہ کو تصوف کی اصل بنیاد سمجھتے تھے ۔ حقیقت اور عینیت کی نہیں ۔ ان کے نزدیک فنا حقیقی نہیں" فنا ارادی" ہے جس میں سالک کی دل چسپی ان تمام باتوں سے ختم ہو جاتی ہے جن سے خدا نے منع کیا ہے ۔ اور وہ ان باتوں میں منہمک اور مصروف ہو جاتا ہے جن کا خدا نے حکم دیا ہے ۔ ابن تیمیہ اور شیخ احمد سرہندی میں یہ بات بھی مشترک ہے کہ دونوں کشف کی قدر کرتے ہیں مگر دونوں کے نزدیک کشف میں صحت اور غلطی دونوں باتوں کا امکان ہے اور کشف سچا وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کی وحی کے مطابق ہو ۔ اسی طرح ابن تیمیہ اور شیخ احمد سرہندی دونوں تصوف کے ان اشغال کے خلاف نہیں ہیں جن کو بدعت سے پاک رکھا جائے ۔ البتہ دل چسپ بات یہ ہے کہ گو شیخ احمد سرہندی اور ابن تیمیہ کے خیالات میں بنیادی مماثلت ہے مگر یہ مماثلت اس کے باوجود ہے کہ شیخ نے یہ خیالات خود اپنے تدبر اور اپنے تجربہ سے اخذ کیے تھے براہ راست ابن تیمیہ سے حاصل نہیں کیے تھے ۔

ڈاکٹر انصاری نے تفصیل سے ابن عربی کے وحدت الوجود کے تجربہ اور فلسفہ اور شیخ احمد سرہندی کے وحدت الوجود کے تجربہ اور فلسفہ کا ذکر کیا ہے اور ان کا فرق واضح کیا ہے اور اس پر اچھی روشنی ڈالی ہے ۔ بعض بزرگوں نے خاص طور پر شاہ ولی اللہؒ نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی تشریح اور تاویل اس طرح کی ہے جس سے ان کا فرق اگر بالکل نہ مٹ سکے تو بھی زیادہ سے زیادہ گھٹ جائے لیکن شاہ اسماعیل نے پھر ان کا فرق واضح طور پر بیان کر دیا ہے ۔

کتاب کی پوری قدر و قیمت کا اندازہ تو اس کو پورا پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے ، لیکن اوپر کے مختصر بیان سے بھی یہ ظاہر ہو جائے گا کہ شیخ احمد سرہندی نے جو روحانی تجربہ اور جو فلسفہ بیان کیا ہے اس کا مقصد اقامتِ دین اور اتباعِ شریعت ہے اور سلوک کی جو راہ انھوں نے تجویز کی ہے وہ یقین اور اخلاص پیدا کرنے کے لیے ہے اور یہی تصوف کا اصل مقصد ہے ۔ تصوف اور شریعت کا یہی تعلق ڈاکٹر انصاری کی کتاب کا موضوع ہے ۔ ڈاکٹر انصاری کی یہ کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے ۔ اس کتاب کی خصوصیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہے کہ اس میں ایک محقق کی حیثیت سے تصوف اور اہل تصوف دونوں کا جائزہ غیر جانب دارانہ اور معروضی طریقہ سے لیا گیا ہے اور ڈاکٹر انصاری نے جس بات کو جس طرح پایا ہے اس کو انھوں نے صاف بیان کر دیا ہے۔ کسی بات کو بڑھانے یا اسے بنانے اور اس کی تاویل کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ صوفی ازم اور شریعت پر ان کی تحقیق ٹھوس بنیادوں پر قائم ہے۔

ہندوستان اور پاکستان کی ضرورت کے پیش نظر اس کتاب کا اردو اور ہندی میں ترجمہ بھی شائع ہونا چاہیے تاکہ یہ کتاب اس تعلیم یافتہ طبقہ کے ہاتھ میں بھی پہنچ سکے جو انگریزی سے استفادہ نہیں کر سکتا۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ ڈاکٹر انصاری کی کتاب انگریزی میں ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی تھی مگر اب تک ہندوستان اور پاکستان میں دستیاب نہیں ہے۔ کسی محقق کے تحقیق کرنے اور کسی اشاعت گھر سے اس تحقیق کے شائع ہو جانے سے بھی کسی کام کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا ہے جب تک یہ تحقیق عام لوگوں تک پہنچ نہ سکے۔ اس لیے اس بات کا انتظام کرنے کی ضرورت ہے کہ تحقیقی کتاب آسانی سے دستیاب ہو سکے۔ اور اس کی بھی ضرورت ہے کہ اخباروں اور رسالوں میں اس کا اشتہار دے کر لوگوں کو اس طرف توجہ دلائی جائے۔ امید ہے کہ ناشر اس طرف توجہ کریں گے۔

تصنیفی تربیت کے خواہش مند فوراً توجہ دیں

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ کی طرف سے تصنیفی تربیت کے لیے پانچسو (۵۰۰) روپیہ ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تھا۔ اب اسے بڑھا کر چھ سو (۶۰۰) روپیہ ماہانہ کر دیا گیا ہے۔ یہ وظیفہ دو سال کے لیے ہوگا۔ منتخب ہونے والے افراد کو ادارہ کی طرف سے قیام کی بھی سہولت رہے گی۔

درخواست دہندہ کا کسی معروف عربی مدرسہ سے درجہ فضیلت یا اس کے مساوی درجہ سے فارغ ہونا ضروری ہے۔ ساتھ ہی ہائی اسکول کے معیار کی انگریزی کی صلاحیت بھی لازمی ہے۔ عربی نہ جاننے کی صورت میں درخواست دہندہ کا ایم۔ اے ہونا ضروری ہے۔ بی اے پاس شدہ افراد بھی درخواست دے سکتے ہیں، بشرطیکہ عربی میں اچھی استعداد رکھتے ہوں۔

تحریک اسلامی سے متعلق یا کسی معروف شخصیت کی تصدیق کے ساتھ حسب ذیل معلومات فراہم کی جائیں۔

(۱) نام (۲) عمر (۴۰ سال سے زیادہ نہ ہو) (۳) پورا پتہ (۴) تعلیمی استعداد (اسناد اور مارکس شیٹ کی نقل کے ساتھ) (۵) کورس کے علاوہ مطالعہ کی تفصیل (۶) مطبوعہ یا غیر مطبوعہ مضامین کی نقل، اردو، عربی یا انگریزی میں (۷) ان موضوعات کی تفصیل جن سے درخواست دہندہ کو خصوصی دلچسپی ہو (۸) درخواست بھیجنے میں تاخیر نہ کی جائے۔

نوٹ: جو لوگ عربی یا انگریزی میں لکھنا چاہتے ہوں وہ بھی درخواست دے سکتے ہیں۔ انتخاب انٹرویو کے بعد ہوگا۔ جن لوگوں کو انٹرویو کے لیے بلایا جائے گا انھیں ایک طرف کا کرایہ سیکنڈ کلاس مع سلیپر چارج کے دیا جائے گا۔

جلال الدین عمری سکریٹری ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور، علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۱

© rasailojaraid.com